زہد کی حقیقت

سید مزمل حسین نقوی*

خلاصہ

اسلام میں زُہد کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ زہد کو بہترین عبادت اور خیر کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ دنیا میں بھی زاہد کو بڑی عزت سے دیکھا جاتا ہے۔ آخرت میں بھی زاہد کو جنت کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔ لیکن بہت سے افراد کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ زہد، دنیا سے بے اعتنائی اور مال و دنیا سے لاپروائی کا نام ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ دنیا بھی ایک بازار ہے۔ یہاں بھی کچھ لوگ کام کرتے ہیں، لیکن وہ دنیا کے لیے نہیں ہوتا کسی اور کے لیے ہوتا ہے اور اس کا نام آخرت ہے۔ یعنی کماتے دنیا میں ہیں، لیکن فائدہ آخرت میں اٹھاتے ہیں۔ اگر آخرت مد نظر ہو تو دولت کمانا اور مال حاصل کرنا بری چیز نہیں ہے۔ ممکن ہے ایک شخص دولت مند بھی ہو اور بہت بڑا زاہد اور متقی بھی ہو۔ رسول خداؐ نے فرمایا: ''غنی اور بے نیازی اللہ سے ڈرنے میں بہترین معاون ہے۔'' نیز آپؐ نے فرمایا: ''بڑا ہی بے فیض ہے وہ آدمی جو اپنی لاج رکھنے، قرضہ چکانے اور عزیز رشتہ داروں کی مدد کے لیے جائز طریقے سے مال جمع کرنے کا خواش مند نہ ہو۔'' حقیقت یہ ہے کہ سرمایانہ ہو تو زندگی بے جان ہو جائے، تہذیب دم توڑ دے، تمدن میں جان نہ رہے، ترقیاں رک جائیں، خوشحالی نام کی کوئی چیز ڈھونڈنے کو نہ ملے۔ اگر ہاتھ خالی ہو تو ہم عزت و آبرو کے ساتھ اپنی ذات اپنے اہل وعیال کی ضروریات کو کیوں کر پورا کر سکیں گے۔ دراصل ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ مال و دولت ناپسندیدہ ہے اور جس پر نکتہ چینی بجا ہے۔ چونکہ یہی مال قانونی حدود سے تجاوز کا باعث بنتا ہے، دوسروں میں احساس محرومی پیدا کرتا ہے، طبقاتی کشمکش کو ابھارتا ہے۔ ایسے ہی مال پر سرزنش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: '' اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے تو (اے رسول) انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔'' پس معلوم ہوا کہ دنیا سے دوری اور نعماتِ الٰہی سے اجتناب کا نام زہد نہیں ہے۔ زھد کی تعریف قرآن کی روشنی میں یہ ہے کہ: جو تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر خوش نہ ہو۔'' (حدیدہ ۲۳) رسول خداؐ کے نزدیک: '' موت کو یاد کرنا بہترین زھد ہے۔''

زہد کو اسلام میں بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ دنیا میں بھی زاہد کو بڑی عزت واحترام سے دیکھا جاتا ہے۔ آخرت میں بھی زاہد کو جنت کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔ گویا کہ دنیا وآخرت کے بہت سے فوائد زہد پر مرتب ہوتے ہیں۔ زہد کو بہترین عبادت قرار دیا گیا ہے اور اسے خیر کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہؐ فرماتے ہیں:

مَا عُبِدَ اللّٰہُ بِشَیءٍ اَفْضَلَ مِنَ الزُّھْدِ فِی الدُّنْیَا۔ (1)

یعنی: ''دنیا میں زہد سے بہتر کسی اور شے کے ذریعہ اللہ کی عبادت نہیں ہو سکتی۔''

حدیث معراج میں خداوند کریم رسول خداؐ سے فرماتا ہے:

'' اے احمد کیا آپ کو معلوم ہے کہ آخرت میں میرے پاس زاہدین کے لیے کیا ہے۔ عرض کیا پروردگار بہتر جانتا ہے۔ فرمایا لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور حساب کے لیے لایا جائے گا جبکہ زاہد افراد کو حساب سے معاف رکھا جائے گا۔ انھیں جو سب سے کم چیز عطا کروں گا وہ یہ ہے کہ جنت کی کنجیاں ان کے حوالے کر دوں گا۔ وہ جس دروازے سے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں۔ نیز وہ میرے دیدار اور میرے ساتھ ہمکلامی کی لذت سے محروم نہیں رہیں گے۔'' (2)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں:

---

*۔ ڈائریکٹر نور الہدیٰ فاصلاتی نظام تعلیم، بھارہ کہو، اسلام آباد

جُعِلَ الْخَيْرُ كُلُّهُ فِيْ بَيْتٍ وَّجُعِلَ مِفْتَاحُهُ الزُّهْدُ۔ (3)

یعنی: "ہر قسم کی بھلائی ایک گھر میں ہے اور اس کی کنجی زہد کو قرار دیا ہے۔"

مزید فرماتے ہیں کہ جب خدا اپنے بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے زاہد بنا دیتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

" جو شخص دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے خدا اس کے قلب کو حکمت سے بھر دیتا ہے اور حکمت کے ساتھ اسے قوت گویائی عطا کرتا ہے۔ اسے دنیا کے عیوب اور بیماریاں دکھا دیتا ہے۔ ان کا علاج بتا دیتا ہے اور اسے دنیا سے سلامتی کی حالت میں اٹھاتا ہے اور دارالسلام تک پہنچا دیتا ہے۔" (4)

اسی لیے رسول خداؐ فرماتے ہیں کہ جب دیکھو کہ اللہ نے کسی کو زاہد بنا دیا ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ وہ تمھیں بھی صاحب حکمت بنا دے گا۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زہد خیر و برکت کی کنجی ہے۔ زہد سے حکمت ملتی ہے۔ زہد بہترین عبادت ہے، زاہد خدا سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرے گا۔ اسے دیدار الٰہی کی لذت نصیب ہو گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ زہد ہے کیا؟

بہت سے افراد کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ زہد یعنی دنیا سے بے اعتنائی، مال و دنیا سے لاپروائی، دنیاوی امور سے کنارہ کشی اور لاتعلّقی۔ وہ زاہد اسے کہتے ہیں جو جوگیوں کی طرح نظر آئے۔ پھٹا پرانا لباس پہنے، لوگوں سے کٹ کر رہے۔ دنیاوی کاموں میں دلچسپی نہ لے، لذیذ کھانوں سے اجتناب کرے۔ اچھے اور تازہ پھلوں کو باسی کرکے کھائے۔ اگر بیمار ہو جائے تو علاج نہ کروائے، زخم پر مکھی بیٹھ جائے تو اسے نہ اڑائے کہ کہیں مخلوق خدا کو تکلیف نہ ہو۔ مال و دولت سے دور بھاگے۔ دنیا کی مذمت کرتا ہوا نظر آئے۔ حالانکہ یہ زُہد نہیں رہبانیت ہے جس کی اسلام نے مذمت کی ہے۔

ایک شخص امام صادقؑ کے پاس آیا آپ نے اس سے حال احوال پوچھا پھر اس کے بھائی کے متعلق دریافت کیا۔ عرض کیا اس نے دنیا میں دلچسپی لینا چھوڑ دی ہے۔ ہر وقت نماز و دعا میں مشغول رہتا ہے۔ مسجد کو اپنا ٹھکانہ بنایا ہوا ہے۔ پوچھا اس کے بیوی بچوں کو کون سنبھالتا ہے۔ ان کی دیکھ بھال کون کرتا ہے، عرض کیا میں ان کے نان و نفقہ کا انتظام کرتا ہوں۔ فرمایا تو اس سے بہتر ہے۔ بدبخت ہے وہ انسان جس کا بوجھ دوسرے اٹھائیں یہ زھد و تقویٰ نہیں ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے ایک شخص کو دنیا کی مذمت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: اے دنیا کی برائی کرنے والے، اس کے فریب میں مبتلا ہونے والے تم اس پر گرویدہ بھی ہوتے ہو اور اس کی مذمت بھی کرتے ہو۔ اسے پسند بھی کرتے ہو اور اس کی ملامت بھی کرتے ہو۔ کیا تم دنیا کو مجرم ٹھہرانے کے حقدار ہو یا وہ تمھیں مجرم ٹھہرائے تو حق بجانب ہے۔

بے شک جو یقین کرے دنیا اس کے لیے سچائی کا گھر ہے۔ جو اس کی باتوں کو سمجھے اس کے لیے امن کی منزل ہے جو اس سے زاد راہ حاصل کرے اس کے لیے دولت مندی کی منزل ہے۔ جو اس سے نصیحت حاصل کرے اس کے لیے وعظ و نصیحت کا محل ہے۔ دوستان خدا کے لیے عبادت کی جگہ ہے۔ فرشتوں کے لیے نماز پڑھنے کا مقام ہے۔ وحی الٰہی کی منزل اور اولیاء الٰہی کی تجارت گاہ ہے۔ انھوں نے اس میں فضل و رحمت کا سودا کیا اور دنیا میں رہتے ہوئے جنت کو فائدہ میں حاصل کیا۔ تو اب کون ہے جو اس کی برائی کرے جبکہ اس نے اپنے بسنے والوں کو موت کی خبر دے دی۔ اپنی جدائی کا اعلان کر دیا۔ اپنی مسرتوں سے آخرت کی مسرتوں کا شوق دلایا۔ جنھوں نے اس سے نصیحت حاصل نہ کی وہ اس کی برائی کرنے لگا اور جس نے اس سے نصیحت حاصل کی وہ قیامت کے دن اس کی تعریف کرے گا۔ (5)

حضرت امام محمد تقیؑ فرماتے ہیں:

اَلدُّنْيَا سُوْقٌ رَبِحَ فِيْهَا قَوْمٌ وَخَسِرَ آخَرُوْنَ۔ (6)

یعنی: ''دنیاایک بازار ہے، ایک گروہ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور دوسرے نے اس سے گھاٹا اٹھایا۔''

فرمایا دنیا بازار ہے، بازار کیا ہوتا ہے۔ جو لوگ تجارت کرتے ہیں وہ بازار میں دکان کھولتے ہیں۔ اس میں سرمایہ لگاتے ہیں، پھر نفع اٹھاتے ہیں تو کیا بازار ان کے لیے بری چیز ہے؟ نہیں بلکہ اگر بازار بند کر دیا جائے تو انھیں افسوس ہوگا۔ بازار ان کے لیے ایک نعمت ہے۔ اسی بازار سے وہ اپنے لیے عیش و عشرت کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ یہ کماتے بازار سے ہیں، لیکن بازار کے لیے نہیں کماتے، منافع بازار میں خرچ نہیں کرتے بلکہ گھر لے آتے ہیں۔

دنیا بھی ایک بازار ہے یہاں بھی کچھ لوگ کام کرتے ہیں، لیکن وہ دنیا کے لیے نہیں ہوتا کسی اور کے لیے ہوتا ہے اور اس کا نام آخرت ہے۔ یعنی کماتے دنیا میں ہیں، لیکن فائدہ آخرت کے لیے اٹھاتے ہیں۔ آخرت کے لیے اس دنیا سے جو جتنا فائدہ اٹھائے گا وہ اتنا ہی متقی ہوگا۔ یعنی اس دنیا سے سب سے زیادہ فائدہ متقی ہی اٹھاتا ہے۔ لہٰذا دنیا کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ اگر دنیا نہ ہو تو رضائے الٰہی کیسے حاصل ہوگی۔ پس دنیا بری نہیں ہے۔ البتہ اس کی محبت بری ہے، اسی لیے حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

حُبُّ الدُّنْیَا یُفْسِدُ الْعَقْلَ وَیُصِمُّ الْقَلْبَ عَنْ سِمَاعِ الْحِکْمَةِ وَیُوْجِبُ الْیَمَّ الْعِقَابَ۔ (7)

یعنی: ''دنیا کی محبت عقل کو خراب کر دیتی ہے، قلب کو حکمت کی باتیں سننے سے روک دیتی ہے اور دردناک عذاب کا باعث بنتی ہے۔''

دنیا میں رہیں اور اس سے محبت نہ کریں اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں جو بھی کام کریں اس میں یہ خیال رکھیں کہ کہیں یہ خدا کی ناراضگی کا باعث تو نہیں بن رہا۔ مثلاً ایک شخص کاروبار کرتا ہے، دولت کماتا ہے اگر وہ اس میں حرام کام کرتا ہے، دولت کمانے کے لیے بے ایمانی کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت اس کے مدنظر نہیں ہے۔ وہ سب کچھ دنیا کی خاطر کر رہا ہے اور اگر سچ بولتا ہے، حلال کو مدنظر رکھتا ہے چاہے اسے نقصان بھی ہو جائے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ اس کے پیش نظر آخرت ہے دنیا نہیں ہے۔ اگر آخرت مدنظر ہو تو دولت کمانا اور مال حاصل کرنا بری چیز نہیں ہے۔ ممکن ہے ایک شخص دولت مند بھی ہو اور بہت بڑا زاہد اور متقی بھی ہو۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

نِعْمَ الْعَوْنُ عَلٰی تَقْوَی اللّٰہِ الْغِنٰی۔ (8)

یعنی: ''غنی اور بے نیازی اللہ سے ڈرنے میں بہترین معاون ہے۔''

قرآن مجید میں کئی مقامات پر مال و دولت کو خیر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً

''کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَنِ الْوَصِیَّةُ ''۔ (9)

مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں خیر سے مراد مال ہے۔ یعنی جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو اگر اس نے مال ترکے میں چھوڑا ہے تو اس کی وصیت کرے۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ۔(10)

یعنی: '' وہ مال سے بڑی شدید محبت کرتا ہے۔''

نیز رسول خداؐ فرماتے ہیں:

لَا خَیْرَ فِیْ مَنْ لَا یُحِبُّ جَمْعَ الْمَالِ مِنْ حَلَالٍ یَکُفُّ بِهٖ وَجْهَهٗ وَیَقْضِیْ بِهٖ دَیْنَهٗ وَیَصِلُ بِهٖ رَحِمَهٗ۔(11)

یعنی: ''بڑا ہی بے فیض ہے وہ آدمی جو اپنی لاج رکھنے، قرضہ چکانے اور عزیز رشتہ داروں کی مدد کے لیے جائز طریقے سے مال جمع کرنے کا خواش مند نہ ہو۔''

الکاسب حبیب اللہ روزی کمانے والا خدا کا حبیب ہے۔ رزق حلال کا حصول عین عبادت ہے۔ امیر المومنینؑ بارگاہ الٰہی میں دست دعا بلند کرتے ہوئے التجا کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ صُنْ وَجْھِیَ بِالْیَسَارِ وَلَا تُبَذِّلْ جَاھِیَ بِالْاِقْتَارِ۔ (12)

یعنی: "بارالہا معاشی آسودگی سے نواز کر میری آبرو کی حفاظت فرما اور اقتصادی کمزوری کی وجہ سے میری حیثیت گرنے نہ پائے۔"

حقیقت یہ ہے کہ سرمایانہ ہو تو زندگی بے جان ہو جائے، تہذیب دم توڑ دے، تمدن میں جان نہ رہے، ترقیاں رک جائیں، خوشحالی نام کی کوئی چیز ڈھونڈنے کو نہ ملے۔ اگر ہاتھ خالی ہو تو ہم عزت و آبرو کے ساتھ اپنی ذات اپنے اہل و عیال اور کسی نہ کسی عنوان سے وابستہ دوسرے افراد کی ضروریات کو کیوں کر پورا کر سکیں گے۔ لوگ غریب و نادار شخص کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس کی باتیں بے وزن ہو جاتی ہیں۔ پھر بہت سی مالی اور نیم مالی عبادتوں کے لیے دولت کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر جس کے پاس دولت نہیں ہے وہ زکوۃ کے اجر سے محروم رہے گا۔ اسے خمس کا ثواب نہیں ملے گا۔ حج و عمرہ اور زیارات کی سعادت بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔

دراصل جو مال و دولت ناپسندیدہ ہے اور جس پر نکتہ چینی بجا ہے وہ اس نوع سے تعلق رکھتی ہے جس کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کیے جائیں۔ جو قانونی حدود سے تجاوز کا باعث بنے فساد کا موجب بنے۔ دوسروں میں احساس محرومی پیدا کر دے، طبقاتی کشمکش کو ابھارے، معاشرتی سکون کو تہس نس کر دے یا ایسی دولت بھی وبال جان ہے جو جائز ذرائع سے حاصل کی ہے، لیکن خرچ نہیں ہو رہی۔ دولت اکٹھی کرنے والا نہ اپنے اوپر صرف کر رہا ہے نہ دوسروں کو دینے کے لیے تیار ہے۔ انہی کی سرزنش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ (13)

یعنی: "اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے تو (اے رسول) انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔"

لیکن اگر انسان اسی مال سے راہ خدا میں بھی کچھ دے دے تو دنیا میں بھی خوش بخت ہے اور آخرت میں بھی خوشی اور سعادت کا باعث بنے گی۔

عبدالاعلیٰ کہتے کہ ایک دن شدید گرمی تھی میں نے دیکھا کہ مدینہ کے باہر امام صادقؑ کھیتی باڑی میں مشغول ہیں، میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان جاؤں، آپ آل رسولؐ ہیں، خدا کے نزدیک آپ کا بہت بڑا مقام ہے آپ کو زیب نہیں دیتا کہ اتنی گرمی میں دنیا کے لیے اتنی محنت کریں۔ فرمایا اے عبداللہ الاعلیٰ میں روزی کی تلاش میں گھر سے نکلا ہوں تاکہ تم جیسے افراد سے بے نیاز ہو جاؤں۔

امیر المومنینؑ اپنے ایک صحابی علاء بن زیاد کے گھر گئے جو کہ بہت بڑا تھا۔ اسے دیکھ کر فرمایا دنیا میں اتنا بڑا گھر بنا کر کیا کرو گے جبکہ آخرت میں تجھے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ ہاں اگر تو چاہے تو اسی گھر سے آخرت کو حاصل کر سکتا ہے۔ اس میں مہمانوں کو لایا کرو، رشتہ داروں کو بلایا کرو، اسی طرح اپنے حقوق ادا کرو جب تم ایسا کرو گے تو اس کے ذریعے آخرت کو پالو گے۔ اسی علا بن زیاد نے اپنے بھائی عاصم کی شکایت کی۔ پوچھا کیا ہوا کہنے لگا اس نے ایک عبا پہن لی ہے دنیا سے کنارہ کش ہو گیا ہے۔ فرمایا اسے میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ آئے تو فرمایا اے دشمن جان شیطان نے تم پر پنجے گاڑ دیئے ہیں تمھیں اپنے بیوی بچوں پر رحم نہیں آتا۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا نے ظاہری طور پر ان پاکیزہ چیزوں کو حلال کیا ہے اور حقیقت میں وہ نہیں چاہتا کہ انھیں استعمال کیا جائے۔ تم اللہ کی نظروں میں اس سے کہیں زیادہ گرے ہوئے ہو کہ وہ تمھارے لیے یہ چاہے۔

جب اس نے یہ سنا تو کہنے لگا: اے امیر المومنینؑ آپ ہمارے امام اور پیشوا ہیں، آپ کھردرا اور سخت لباس پہنتے ہیں، سادہ کھانا کھاتے ہیں، للذا ہم بھی آپ کی اقتدا کرتے ہیں، فرمایا: افسوس ہے تم پر میں تمھاری طرح نہیں ہوں۔ خدا نے حق کے ائمہ کے لیے واجب قرار دیا ہے کہ وہ اس طرح رہیں اور فقراء کی طرح زندگی گزاریں تاکہ فقراء اپنے فقر کی وجہ سے خدا کی نافرمانی نہ کریں۔ (14)

پس معلوم ہوا کہ دنیا سے دوری اور نعماتِ الٰہی سے اجتناب کا نام زہد نہیں ہے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں:

لَیْسَ الزُّھْدُ فِی الدُّنْیَا بِاِضَاعَةِ الْمَالِ وَتَحْرِیْمِ الْحَلَالِ بَلْ الزُّھْدُ فِیْھَا اَنْ لَاتَکُوْنَ مَافِی یَدِکَ اَوْثَقُ بِمَا عِنْدَاللہِ۔ (15)

یعنی: ”مال کو گھٹیا شمار کرنا اور حلال کو حرام قرار دینے کا نام زہد نہیں ہے بلک زہد یہ ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس سے زیادہ اسے قابل اعتبار سمجھے جو خدا کے پاس ہے۔“

یعنی اپنے تعلقات، اپنی سماجی حیثیت، اپنی دولت اور اپنی قوت پر بھروسہ نہ کرے بلکہ خدا پر بھروسہ کرے، یہی زہد ہے۔ رسول خداؐ نے جبرائیل سے زہد کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا:

الزُّھْدُ مَن یُحِبُّ مَنْ یُحِبُّ خَالِقُہٗ وَیُبْغِضُ مَنْ یُبْغِضُہٗ۔ (16)

یعنی: ”زاہد وہ ہے جو اس شے سے محبت کرے جس سے اس کا خالق محبت کرتا ہے اور اس سے نفرت کرے جس سے اس کا خالق نفرت کرتا ہے۔“

پس زہد یہی ہے کہ جس سے خدا محبت کرتا ہے اس سے محبت کی جائے جس سے خدا نفرت کرتا ہے اس سے نفرت کی جائے۔ جس طرح خدا علم سے محبت کرتا ہے، نیکی سے محبت کرتا ہے، محمد وآل محمدؐ سے محبت کرتا ہے تو بھی نیکی علم اور محمد وآل محمدؐ سے محبت کرے گا یہی زاہد ہو گا۔ جس طرح خدا جہالت سے نفرت کرتا ہے بے حیائی سے نفرت کرتا ہے، دشمنان دین سے نفرت کرتا ہے تو جو ان چیزوں سے نفرت کرے گا وہی زاہد ہے۔

امیر المومنینؑ سے جب زہد کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا قرآن نے دو کلموں میں زہد کی تعریف کی ہے۔ سورہ حدید آیت ۲۳ میں خدا فرماتا ہے:

لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ۔ (17)

یعنی: ” تاکہ جو تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر خوش نہ ہو۔“

مثلاً اگر کسی کی کوئی چیز ضائع ہو گئی ہے، کچھ پیسے کھو گئے ہیں، گھر منہدم ہو گیا ہے تو اس پر افسوس نہ کرے۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کو دکھ نہیں ہونا چاہیے۔ نقصان پر دکھ کا ہونا ایک فطری چیز ہے مراد یہ ہے کہ ڈھنڈورا نہیں پیٹنا چاہیے۔ ہر ایک کے سامنے اظہار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ خدا سے امید رکھنی چاہیے کہ وہ اس نقصان کے بدلے یقیناً کسی عظیم نعمت سے نوازے گا۔ وہ کریم ذات ہے اور دے گا اور جو چیز مل جائے اس پر خوش نہ ہو۔ خوشی بھی فطری چیز ہے۔ دولت ملنے پر، انعام نکل آنے پر کاروبار پھیلنے پر، خوشی تو ہوتی ہے، مراد یہ ہے کہ مغرور نہیں ہونا چاہیے بلکہ شکر کرنا چاہیے۔ مزید فرماتے ہیں:

الزُّھْدُ فِی الدُّنْیَا قَصْرُ الْاَمَلِ۔ (18)

یعنی: ” کام کاج کرتا نہیں ہے، ہاتھ پاؤں چلاتا نہیں، سارا دن بے کار پھرتا ہے لیکن بڑی بڑی آرزوئیں کرتا ہے یہ زہد کے منافی ہے۔“

رسول خداؐ فرماتے ہیں:

اَفْضَلُ الزُّھْدِ فِی الدُّنَیا ذِکْرُ الْمَوْتِ۔ (19)

یعنی: ” موت کو یاد کرنا بہترین زھد ہے۔“

*****

حوالہ جات

1۔ متقی ہندی، کنزالعمال، ج ۳، ص ۲۰۳، ح ۶۱۷۶۔

2۔ مجلسی، بحارالانوار، ج ۷۴، ص ۲۵۔

3۔ کلینی، الکافی، ج ۲، ص ۱۲۸۔

4۔ کلینی، الکافی، ج ۲، ص ۱۲۸۔

5۔ نہج البلاغہ، حکمت ۱۳۱۔

6۔ ابن شعبۃ حرانی، تحف العقول، ص ۴۸۳۔

7۔ علی بن محمد واسطی، عیون الحکم والمواعظ، ص ۲۳۱۔

8۔ کلینی، الکافی، ج ۵، ص ۷۱۔

9۔ بقرہ/۱۸۰۔

10۔ عادیات، ۸۔

11۔ کلینی، کافی، ج ۵، ص ۷۲۔

12۔ قطب راوندی، الدعوات، ص ۱۳۳۔

13۔ توبہ/۳۴۔

14۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۰۷۔

15۔ شیخ طوسی، تہذیب الاحکام، ج ۶، ص ۲۲۷

16۔ شیخ طریحی، مجمع البحرین، ج ۲، ص ۴۹۶۔

17۔ نہج البلاغہ: ۴۳۹۔

18۔ کلینی، کافی، ج ۵، ص ۷۱۔

19۔ متقی ہندی، کنزالعمال، ج ۱۵، ص ۵۵۵، ح ۴۲۱۰۴۔